سوشل میڈیا

تحریر: سہیل احمد لون

الیکٹرانک میڈیا کے عام ہونے سے' پرنٹ میڈیا کی خبروں کی ترسیل، مراسلات اور مواصلات کے شعبے میں برسوں کی اجارہ داری ختم کر دی۔ پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا خبر، معلومات، تفریح پہنچانے کا ذریعہ تو ہیں مگر ان تک رسائی ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ سوشل میڈیا نے ایک عام آدمی کو اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کا آسان اور سستا پلیٹ فارم مہیا کیا ہے جس کا فائدہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا شخص اٹھا رہا ہے۔ سوشل میڈیا نے دنیا کو بہت مصروف بنا دیا ہے۔ کوئی بچپن کے بچھڑے ساتھی ڈھونڈ کر خوش ہو رہا ہوتا ہے تو کوئی نئے ساتھی تلاش کرنے کے لیے وسیع سمندر میں غوطہ زنی کرنے میں مشغول ہوتا ہے۔ خوشی یا غم کی کیفیات بیان کرنے کا سستا ذریعہ پہلے کب کسی عام آدمی کو نصیب ہوا تھا۔ سوشل میڈیا پر ادبی، تعلیمی، تفریحی، سیاسی سرگرمیاں چوبیس گھنٹے جاری رہتی ہیں۔ دورِ حاضر میں تقریبات کے دعوت نامے، سالگرہ، قومی یا مذہبی تہواروں کے مبارک باد کے کارڈز کی تشہیر بھی سوشل میڈیا کے ذریعے کرنا رواج بنتا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے جہاں کئی نئے ساتھی ملتے ہیں وہاں کبھی کبھار اپنے قریبی ساتھی سے ہاتھ بھی دھونا پڑ جاتا ہے۔ برطانیہ میں حالیہ دنوں ایک عورت نے اپنے خاوند سے طلاق کے لیے عدالت سے رجوع کیا ہے۔ مغربی ممالک میں طلاق ایسے ہی عام سی بات ہے جیسے وطنِ عزیز میں دہشت گردی۔ مگر طلاق لینے کا محرک ایسا تھا جو شاید پہلے کبھی سننے میں نہ آیا ہو۔ عورت نے عدالت میں اپنے خاوند کے خلاف یہ بیان دیا کہ وہ اس کے ساتھ محبت نہیں کرتا اور اس کو اپنے میاں کی وفا پر شک ہے کیونکہ شادی کے 2 ہفتے گزر جانے کے بعد بھی اس کے میاں نے شادی کا اعلان فیس بک پر نہیں کیا۔ جج نے دونوں طرف کے بیانات سن کر عدالت 6 ماہ کے لیے یہ کہہ کر برخاست کر دی کہ اگر 6 ماہ میں میاں اپنی بیوی کو اپنی وفا کا یقین نہ دلا سکا تو عدالت طلاق کا حکم جاری کر دے گی۔ جب سے فیس کے سامنے فیس بک آئی ہے فیس (Face) کے سامنے بک (Book) ٹکتی ہی نہیں۔ اب تو حالات یہ ہیں کہ گھر کا پتہ ہو نہ ہو مگر فیس بک، ٹویٹر، لنکڈان وغیرہ کا اکاؤنٹ ہونا لازمی سمجھا جاتا ہے۔ بینک اکاؤنٹ ہو یا نہ ہو، بینک کے اکاؤنٹ میں کچھ ہو نہ ہو مگر سوشل میڈیا کا اکاؤنٹ فرینڈز سے بھرا ہونا چاہیے۔ مشرقی معاشرے میں اولادِ نرینہ کو اولادِ زرینہ پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مرد صرف اسی بات میں اکڑ میں رہتا ہے کہ وہ مرد ہے حالانکہ اس میں اس کا اپنا کوئی کمال بھی نہیں ہوتا اور صنفِ نازک کا عورت ہونے میں اس کا اپنا کوئی قصور یا مرضی شامل نہیں ہوتی۔ ایسے کئی اکڑ خان مرد حضرات زنانہ خول چڑھا کر سوشل میڈیا پر ٹائم پاس کرتے ہیں۔ غلط استعمال تو دودھ اور شہد جیسی نعمتوں کا کیا جائے تو اس کا اثر بھی برا ہوتا ہے پھر سوشل میڈیا کا ناجائز اور غلط استعمال اچھے نتائج کیسے دے سکتا ہے۔ خاص طور پر نوجوان نسل کو چاہیے کہ وہ اس ہتھیار کو مثبت طریقے سے استعمال کر کے اخلاقی جنگ جیتیں۔ سوشل میڈیا نے دنیا کو قریب تر کر دیا ہے، ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خاص خوبی ضرور ہوتی ہے جس کا اظہار کرنے کا بعض اوقات موقع نہیں ملتا۔ مگر سوشل میڈیا نے ہر شخص کے لیے ایسے

مواقع پیدا کر دیے ہیں کہ وہ اپنی تحقیق، تخلیق، فن یا کسی بھی صلاحیت کا اظہار کر سکتا ہے جس کی دنیا بھر میں تشہیر ہو سکتی ہے۔ادبی ذوق رکھنے والوں نے اپنے فورم بنا رکھے ہیں جہاں شعراء اپنا کلام اپ لوڈ کر دیتے ہیں، کیونکہ کتابی شکل دینے کے لیے وسائل درکار ہوتے ہیں مگر سوشل میڈیا نے ادب سے لگاؤ رکھنے والوں کو اپنا شوق پورا کرنے کا پورا موقع فراہم کر دیا ہے۔اب کتابوں کی رسم اجراء اور مشاعرے بھی آن لائن ہو رہے ہیں۔ پرنٹ میڈیا اپنے قواعد و ضوابط یا مخصوص پالیسیوں کی وجہ سے بعض اوقات کوئی خبر یا تحریر نشر نہیں کر سکتا مگر سوشل میڈیا پر آزادی رائے ہونے کی وجہ سے جرات اظہار بھی بڑھ جاتا ہے۔ حالیہ کئی ایسے کیسز بھی دیکھنے میں آئے جن کا چیف جسٹس آف پاکستان نے از خود نوٹس لیا اور ان خبروں کی تشہیر کا منبع سوشل میڈیا تھا۔ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیوں کے لیے بھی سوشل میڈیا بہت سرگرم ہے۔ جہاں حقیقی جمہوریت ہوتی ہے وہاں سیاستدان اپنی عوام سے مسلسل رابطے میں رہتے ہیں۔سوشل میڈیا نے ان کا عوام سے تعلق مزید گہرا اور سہل کر دیا ہے۔میرے فیس بک اکاؤنٹ میں برطانیہ کے جو سیاستدان، سیاسی و سماجی کارکن شامل ہیں وہ اپنے روزمرہ کے عوامی کاموں سے اپ ڈیٹ کرتے رہتے ہیں۔سوشل میڈیا کے ذریعے عوامی رائے بھی مل جاتی ہے اور عوامی مسائل کا اندازہ بھی روزانہ کی بنیادوں پر ہو جاتا ہے۔ برطانیہ کا شمار بھی ان ممالک میں ہوتا ہے جو جمہوریت کے صرف دعوی دار ہی نہیں بلکہ جمہوریت کا اصلی حسن نظر بھی آتا ہے۔وطن عزیز میں منتخب نمائندوں سے عام آدمی کا ملنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے مگر برطانیہ میں ممبر آف پارلیمنٹ مہینے میں کم از کم 2 بار اپنے حلقے میں مخصوص وقت کے لیے صرف عوامی مسائل حل کرنے کے لیے بیٹھتا ہے۔ جہاں وہ ملاقات پر آنے والوں کے لیے کرسیاں بھی خود لگاتا ہے۔ مجھے گزشتہ برسوں میں ایم پی صادق خان، ایم پی ٹام بریک اور ایم پی ایڈورڈ دیوی سے ان کی سرجری پر جا کر ملنے کا اتفاق ہوا ہے لہذا یہ بات میں ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں۔ وہ بات سن کر نوٹ کرتے ہیں اور اس کے بعد تحریری طور پر معاملے کی اپ ڈیٹ دیتے رہتے ہیں۔ ہمارے سرکاری کلرک جتنے خط ایک ماہ میں لکھتا ہے اس سے زیادہ خط یہاں کا ایم پی ایک ہفتے میں صرف رفائے عامہ کے کاموں کے لیے لکھ دیتا ہے۔اس کے علاوہ ممبرز آف پارلیمنٹ اور لارڈز عوام سے صرف ایک خط یا ای میل کے فاصلے پر ہوتے ہیں۔ ہاؤس آف لارڈز یا پارلیمنٹ ہاؤس تک رسائی ایک عام آدمی کے لیے معمولی بات ہے مگر وطن عزیز میں عام آدمی کو پارلیمنٹ ہاؤس، گورنر ہاؤس یا وزیر اعلی ہاؤس کی نزدیک سے کوئی تصویر بھی بنانے نہیں دیتا۔عوامی لیڈر وہی ہوتا ہے جو عوام میں رہے،، جمہوری معاشروں میں ایسے لیڈر انڈر گراؤنڈ ٹرینوں، لوکل بسوں اور ٹرامز میں عوام کے ساتھ سفر کرتے عام نظر آتے ہیں مگر تعجب ہے، جمہوریت کو سب سے بڑا انتقام کہنے والے جمہوریت سے ہی انتقام لیتے ہیں۔جن کے ووٹ سے اقتدار کے ایوانوں تک پہنچتے ہیں انہیں کے درمیان رہنے سے خوف کھاتے ہیں۔الیکٹرانک یا پرنٹ میڈیا میں سیاستدانوں کا عوام سے تعلق یک طرفہ ہوتا ہے کیونکہ عوام براہ راست ان سے کچھ کہہ نہیں سکتی۔ اگر ان کی نیت صاف ہو تو وہ بھی عوام سے رابطے کے لیے سوشل میڈیا کا استعمال کریں جس میں وہ براہ راست عوام سے تعلق بنا سکتے ہیں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ پاکستانی سیاستدان اگر کسی شے سے لاعلم نہیں تو وہ صرف اور صرف عوامی غم و غصہ ہے۔ سوشل میڈیا پر طور عمران خان 2011ء کا وزیر اعظم بن چکا ہے لیکن میری اطلاع کے مطابق پاکستانیوں کی بڑی تعداد سوشل میڈیا سے دور ہے۔نوجوانوں کی بہر حال بڑی تعداد سوشل میڈیا پر بھرپور نظر آ رہی ہے

لیکن یہ بھی نظریاتی حوالے سے تقسیم شدہ ہے اور شاید پاکستانی ہونے کے علاوہ اِن میں کوئی قدر مشترک نہیں پائی جاتی۔ سوشل میڈیا سے تو ایسے ہی محسوس ہوتا ہے۔۔

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن۔ سرے

sohailloun@gmail.com